احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت

مولانا محمد تقی صاحب امینی۔ ناظم دینیات۔ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

گذشتہ سے پیوستہ

عام ابتلاء یا کثرت ممارست کی وجہ سے فقہ میں وسعت کی بہت سی مثالیں ہیں، مثلاً بچہ کی نجاست دودھ پلانے والی عورت کو لگ جائے اور وہ نہ دیکھے، بارش کا کیچڑ بدن اور کپڑے کو لگ جائے، بواسیر اور پھوڑے والوں کے جسم اور کپڑے پر خون اور تری لگتی رہے، غازی کے جسم اور کپڑے پر گھوڑے کا پیشاب لگ جائے وغیرہ۔ ان تمام صورتوں میں چوں کہ احتیاط دشوار ہے اس بناء پر فقہاء نے وسعت سے کام لیا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

ماضاق شئ الا اتسع — جس میں تنگی ہو وسعت ہوجاتی ہے۔

اور فقہ کا مشہور کلیہ ہے:

اذا ضاق الامر اتسع واذا اتسع ضاق۔[1] — جب تنگی ہو تو وسعت ہوجاتی ہے اور جب زیادہ وسعت ہوجائے تو تنگی ہوجاتی ہے۔

پانچویں دلیل (۵) سیاست شرعیہ میں وسعت ثابت کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے تاریخ بیان کی جاتی ہے کہ ابتداء میں جب صورت حال تنگ تھی اور آبادی زیادہ نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے احکام میں کافی وسعت رکھی تھی حتی کہ معمولی تفاوت

[1] فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر بحث اصول وکلیات۔

کے ساتھ بھائی کی شادی بہن کے ساتھ جائز تھی۔ پھر جب حالات میں تبدیلی ہوئی۔ اور آبادی بھی بڑھ گئی تو پہلے کے بہت سے احکام میں تبدیلی ہوگئی۔ اسی طرح حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام وغیرہ کی شریعتوں میں حالات کے لحاظ سے جو تفاوت تھا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے۔

ان الاحکام والشرائع بحسب اختلاف الازمان۔ ¹	احکام اور شرائع زمانہ کے اختلاف کے اعتبار سے ہیں۔

ذیل میں سیاست شرعیہ کے تحت قرآن وسنت اور صحابہ کرام کے چند فیصلے ذکر کئے جاتے ہیں جن سے سمجھنے اور اس کے تحت مسائل حل کرنے میں سہولت ہوگی۔

قرآن حکیم کی آیت ان کان قمیصہ الخ سے استدلال

(۱) قرآن حکیم میں سیدنا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے:۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ (سورۂ یوسف)	اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے کہا کہ اگر یوسف (علیہ السلام) کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹے ہیں اور اگر پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف (علیہ السلام) سچے ہیں۔ جب عورت کے خاوند نے دیکھا کہ یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی مکاریوں میں سے ایک مکاری ہے اور تمہاری مکاری بڑی ہی سخت ہے۔

آیت میں انکشاف حقیقت کے لئے جس طریق سے کام لے کر فیصلہ کیا گیا ہے وہ سیاست شرعیہ کے ماتحت ہے۔

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ الخ سے استدلال

(۲) سیدنا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے واقعہ میں ہے:

وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ	اور داؤد وسلیمان علیہما السلام کو یاد کرو جبکہ اس کھیت کے بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جس میں قوم کی بکریاں منتشر ہوگئی تھیں ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے، پس ہم نے سلیمانؑ

¹ تبصرۃ الحکام فی القضایا بالسیاسۃ الشرعیہ۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء) کو فہم عطا کیا اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم دیا تھا۔

بکریوں کے چرنے سے کھیت کا جتنا نقصان ہوا تھا وہ بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔ قاعدہ کے مطابق بطور ضمان داؤد علیہ السلام نے کھیت والوں کو بکریاں دینے کا حکم دیدیا۔ لیکن اس فیصلہ میں بکری والے بالکل بے دست وپاء بن کر رہ جاتے تھے اس لئے سلیمان علیہ السلام نے ان میں مصالحت کی یہ شکل تجویز فرمائی کہ چند دن کے لئے بکریاں کھیت والوں کو دیدی جائیں جن کے ذریعہ وہ اپنا گذر بسر کرتے رہیں اور کھیت بکری والوں کے سپرد کر دیا جائے جس کی دیکھ بھال اور نگرانی کر کے پہلی حالت پر وہ اس کو لے آئیں۔ پھر کھیت اور بکریاں دونوں اپنے اپنے مالکوں کے حوالہ کردی جائیں [1]

ظاہر ہے کہ یہ دونوں فیصلے اپنی اپنی جگہ درست ہیں اسی بناء پر کہا گیا ہے "وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا" لیکن دوسرا فیصلہ سیاستِ شرعیہ کے تحت قوم وملت کے زیادہ فائدہ پر مبنی ہے اس بناء پر سلیمان علیہ السلام کے لئے خصوصیت سے کہا گیا ہے "فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ"

حکم واحکام اور فیصلوں میں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ سمجھ بوجھ ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی ابوموسیٰؓ کو ایک خط میں لکھا تھا:

الفهم الفهم فيما أدلى إليك [2] — جو معاملہ پیش آئے اس میں زیادہ سے زیادہ سمجھ سے کام لینا۔

ایک شخص نے ایاسؒ بن معاویہؒ سے کہا کہ:

علمني القضاء — مجھے قضاء سکھا دیجئے۔

تو اس نے جواب میں کہا:

ان القضاء لا يعلم انما القضاء فهم [3] — قضاء سکھائی نہیں جاتی ہے وہ فہم ہے۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا سے استدلال — (۳) تین صحابی کعبؓ بن مالک، ہلالؓ بن امیہ اور مرارہؓ بن ربیعہ کے بارے میں ہے: وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ان تینوں شخصوں پر بھی اللہ نے توجہ فرمائی جن کا

---

[1] تفسیر کبیر ج ۶ سورۂ انبیاء ص ۱۳۵ واعلام الموقعین ج ۲ فصل وعلیٰ ہذا الاصل تبتنی الحکومۃ ص ۱۲۔

[2] الطرق الحکمیہ فصل من فراسۃ الحاکم ص ۳۴ — [3] حوالۂ بالا۔

حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۠ (سورۂ توبہ)

معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا جبکہ ان پر زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی تھی اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آ گئے تھے اور انھوں نے جان لیا تھا کہ سوائے اللہ کے اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی ہے اُس وقت اللہ نے ان پر توجہ فرمائی تاکہ وہ رجوع کریں بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہ تینوں بزرگ اونچے درجہ کے صحابی اور اسلام و پیغمبرِ اسلامؐ کے جاں نثاروں میں تھے، لیکن غزوۂ تبوک میں معمولی تاخیر کی وجہ سے شرکت نہ ہو سکی تھی، اس لئے رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاستِ شرعیہ کے تحت لوگوں کو ان سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اس حکم کے بعد سب نے مُنہ پھیر لیا اور اچانک ان کی دنیا بدل گئی۔

جب اس حالت پر چالیس دن گذر گئے تو رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید سخت حکم یہ دیا کہ یہ تینوں اپنی اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جائیں (صرف علیحدگی کا حکم تھا طلاق کا نہ تھا) پھر پورے پچاس۵۰ دن کے بعد قبولیتِ توبہ کی مذکورہ آیت نازل ہوئی اور لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

تینوں بزرگوں کی سرگزشت خود کعبؓ بن مالک نے اپنی سرگزشت اس طرح بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں:-

"تمام جنگوں میں میں نے رسول اللہؐ کے ساتھ شرکت کی اور اس موقعہ پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا، ایک کے بعد ایک دن گذرتے رہے اور میں اسی خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹالوں تو نکلوں یہانتک کہ آج کل ہوتے ہوتے پورا وقت گذر گیا۔ اتنے میں خبر اُڑی کہ رسول اللہؐ واپس آ رہے ہیں، اس وقت میری آنکھیں کُھلیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا، آپؐ حسب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے اور جو لوگ کوچ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ حاضر ہو کر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے۔ یہ کچھ اوپر اسّی آدمی تھے انھوں نے جو کچھ ظاہر کیا رسول اللہؐ نے قبول کر لیا اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی جھوٹی معذرت کروں جو کچھ سچی بات تھی صاف صاف عرض کر دی، آپؐ نے سن کر فرمایا "اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے"۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ اور کسی کو بھی ایسا حکم ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں مرارہؓ بن ربیع اور ہلالؓ بن امیہ کو

اس کے بعد جب رسول اللہؐ کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے تو سب نے مُنہ پھیر لیا۔ اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی گویا کل تک جس دنیا میں تھے اب وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی، میرے دونوں شریکِ ابتلا گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے لیکن میں سخت جان تھا، اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضری دیتا، جماعت میں شریک ہوتا اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد قریب جاکر سلام عرض کرتا اور پھر اپنے جی میں کہتا دیکھوں سلام کے جواب میں آپؐ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپؐ گوشۂ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے لیکن جب میری نگاہ اُٹھتی تو رُخ پھر جاتا،

ایک دن شہر سے باہر نکلا تو ابو قتادہؓ کے باغ تک پہونچ گیا یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں اسے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ میں نے سلام کیا مگر اُس نے کوئی جواب نہیں دیا، میں نے کہا ابو قتادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اپنے دل میں محبت رکھتا ہوں؟ اس پر بھی اُس نے میری طرف رُخ نہیں کیا لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دہرائی تو صرف اتنا کہا "اللہ ورسولہٗ اعلم" اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، اس وقت مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں ملکِ شام کا ایک نبطی مل گیا وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہونچا دے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے بادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالہ کیا۔ اس میں لکھا تھا، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے، خط پڑھ کر میں نے کہا یہ ایک اور نئی مصیبت آئی، گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں؟ جب اس حالت پر چالیس راتیں گزر چکیں تو رسول اللہؐ کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا، حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ، میں نے کہا طلاق دیدوں؟ کہا نہیں، صرف علیحدگی کا حکم ہے ہلالؓ اور مرارہؓ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے، اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا۔

جب دس دن اور گذر گئے تو پچاسویں رات پر صبح آئی میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا، اور ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی تصویر اللہ کے کلام نے کھینچ دی ہے، زندگی سے تنگ آگیا تھا اور

اللہ کی زمین میرے لئے تنگ ہو گئی تھی اچانک کیا سنتا ہوں کہ کوئی آدمی "کوہ سلع" سے پکار رہا ہے:

"کعب بن مالک بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی"

اب لوگ جوق در جوق مجھے مبارک باد دینے کے لئے آنے لگے، ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا لیکن بشارت کی آواز اس سے زیادہ تیز ثابت ہوئی تھی، میں مسجد میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلعم لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ صلعم کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تھے تو چہرۂ مبارک چاند کی طرح چمکنے لگتا ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی اس لئے ہمیشہ آپ کے چہرہ پر نگاہ رکھتے تھے چنانچہ میں نے دیکھا اس وقت بھی چہرۂ مبارک چمک رہا تھا فرمایا، کعب! تجھے آج اُس دن کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے، میں نے عرض کیا، یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی یا اللہ کی وحی سے؟ فرمایا اللہ کی وحی سے ہوئی ہے"۔[1]

واقعہ سے عبرت و نصیحت یہ پورا واقعہ محض اس لئے نقل کیا گیا کہ اس میں بڑی عبرت و نصیحت ہے مثلاً:

(ا) دین کو غالب کرنے کی جد و جہد میں معمولی غفلت بھی ایک مومن مخلص اور صحابی کو کس درجہ سرزنش کا مستحق ٹھہراتی ہے کہ تمام مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق کا حکم دیا گیا۔

(ب) خود مسلمانوں نے حکم کی اس درجہ پابندی کی کہ محبوب و عزیز ترین کو بھی خلاف ورزی کی جرأت نہ ہوئی، صرف ایک شخص کے لبوں کی حرکت تھی کہ تینوں بزرگوں کے لئے دنیا کیا سے کیا ہو گئی اور چوری چھپے بھی کسی کو خلاف ورزی کی مجال نہ رہی۔

(ج) باہمی اخوت و محبت کا یہ حال تھا کہ حکم کی تعمیل تو سب نے کی لیکن ان کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی نہ تھا سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ جلد قبول ہو جائے۔

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ کہا کرتے تھے کہ کوئی آیت مجھے اس قدر نہیں رُلاتی ہے جس قدر یہ آیت اور کعبؓ بن مالک کی روایت۔[2]

---

[1] بخاری ج ۲ کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک۔ [2] ترجمان القرآن ج ۲ سورہ توبہ

سیاستِ شرعیہ کے تحت قرآنِ حکیم کے چند فیصلے

قرآنِ حکیم کے درج ذیل احکام سیاستِ شرعیہ کے تحت ہیں۔

(۱) بتوں اور دوسرے معبودوں کو اس لئے برا کہنے سے منع کیا گیا کہ مصلحت کے مقابلہ میں فساد غالب تھا۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورہ انعام)

ان معبودوں کو برا نہ کہو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں ورنہ لوگ حد سے گذر کر نادانی سے اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔

علامہ ابن قیمؒ کہتے ہیں:

وهذا كالتنبيه بل كالتصريح على المنع من الجائز لئلا يكون سببا فى فعل ما لا يجوز۔[1]

یہ اندازِ تنبیہ بلکہ تصریح ہے اس امر کی کہ جو جائز باتیں ناجائز کے ارتکاب کا سبب بنتی ہوں ان سے منع کر دینا چاہئے۔

(۲) شریعت میں عفت وعصمت کا جو بلند معیار قائم کیا گیا ہے اس کے پیشِ نظر عورتوں کو زمین پر زور سے پاؤں مار کر چلنے سے منع کیا گیا ہے کہ زیور کی آواز سے لوگوں کے خیالات خراب نہ ہوں:

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ (سورۂ نور)

عورتیں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔

اس جگہ بھی ایک جائز فعل کو محض فساد کے اندیشہ سے روک دیا گیا ہے۔

جس معاشرہ میں بر سرِ عام عفت وعصمت کا سودا ہوتا ہو اور برضا و رغبت عزت و ناموس پر حملہ کوئی جرم قرار نہ پائے اس میں ظاہر ہے کہ اس قسم کے احکام کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ لیکن اسلام نے تکمیلِ انسانیت اور حصولِ سعادت کا جو نقشہ اور نمونہ پیش کیا ہے، اس میں شہوت کو برانگیختہ اور خیالات کو خراب کرنے والی معمولی معمولی باتوں کو بھی بڑی اہمیت دی ہے، ایک طرف فواحش و بدکاری کی تمام راہوں پر پابندی لگا کر عفت وعصمت کی حفاظت کا مکمل بندوبست کیا ہے تو دوسری طرف خواہشات کی تسکین کی ایک حد مقرر کی اور محل کی تعیین کی ہے تاکہ نفس کے تقاضوں میں توازن برقرار رہے اور ہوس کی سرمستی انسان کو سعادت سے محروم نہ کر دے۔

---

[1] اعلام الموقعین ج۳ فصل فی سد الذرائع ص۱۲۱۔

(۳) نوکر چاکر اور نابالغ لڑکوں کو گھر میں آنے کے لئے اُن اوقات میں اجازت ضروری قرار دی گئی جو اوقات عموماً فراغت اور آرام کے ہوتے ہیں تاکہ مخفی باتوں سے واقفیت ہو کر خیالات و اخلاق پر بُرا اثر نہ پڑے۔ اور دوسری طرف آرام و سکون میں خلل نہ واقع ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ	اے ایمان والو! تمہارے پاس آنے جانے کے لئے مملوکوں
مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ	اور نابالغ لڑکوں کو تین وقت اجازت لینا چاہیے۔
مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ	(۱) نمازِ فجر سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت جب اپنے کپڑے
وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ	اتار دیتے ہو اور (۳) نمازِ عشاء کے بعد۔ پردے کے
وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۗ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ	یہ تین اوقات ہیں، ان کے علاوہ اور اوقات میں
لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ	بلا اجازت آنے پر کوئی الزام نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ
بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ	بکثرت تمہارے پاس آنے جانے والے ہیں (ہر وقت
عَلٰى بَعْضٍ ؕ (سورہ نور)	اجازت لینے میں دشواری ہے)

(۴) صحابہ کرام کو لفظ "راعنا" کہنے سے روک دیا گیا اور "انظرنا" کہنے کا حکم دیا گیا حالانکہ ان کی نیت میں کوئی خرابی نہ تھی اور معنی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا	اے ایمان والو تم "راعنا" مت کہو اور
انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا (سورہ بقرہ)	"انظرنا" کہو، اس کو اچھی طرح سن لو۔

دونوں لفظوں کا مفہوم تقریباً یکساں ہی ہے۔ "ہماری مصلحتوں کی رعایت کیجئے" "ہمارے اوپر نظرِ کرم فرمائیے"۔ لیکن یہودی لفظ "راعنا" کو دوسرے بُرے مفہوم میں استعمال کر کے رسول اللہؐ کی شان میں توہین کرتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا۔

(۵) حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو تبلیغ حق کے لئے فرعون جیسے سرکش کے پاس بھیجتے وقت نرم لہجہ اختیار کرنے کی تاکید کی گئی کہ سخت کلامی اس کی نفرت کا سبب نہ بن جائے۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ	تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکشی میں بہت

يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ‌ (سورہ طٰہٰ) بڑھ گیا ہے اس سے نرمی سے بات کرنا شاید نصیحت پکڑے یا انجام سے ڈر جائے۔

باوجودیکہ ان کی حفاظت ونگرانی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل انتظام تھا۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ ‌ دونوں نے عرض کیا، پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے کہ فرعون

اَوْ اَنْ يَّطْغٰى قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ ‌ ہماری مخالفت میں جلدی نہ کرے یا سرکشی سے پیش نہ آئے، ارشاد ہوا

مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ‌ (سورہ طٰہٰ) کچھ اندیشہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہوں

ابن قیمؒ فرماتے ہیں:۔

فنھاھما عن الجائز لئلا یترتب علیہ ‌ ان دونوں کو جائز بات سے روک دیا تاکہ اس کی وجہ سے

ماھو اکرہ الیہ تعالیٰ۔[1] ‌ ایسی بات نہ پیدا ہو جو اللہ کو ناگوار ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے منجملہ اور بہت سے سوالوں کے ایک نہایت اہم اور نازک سوال یہ کیا تھا۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى۔ ‌ فرعون نے کہا ان کا کیا حال ہوا جو پہلے لوگ گذر چکے ہیں (اور اس نئے

(سورہ طٰہٰ) ‌ عقیدہ کی ان کو خبر نہ تھی)

لوگوں کو اپنے پیشرو بڑوں سے جذباتی عقیدت ہوتی ہے ان کے خلاف معمولی تنقید بھی گوارا نہیں ہوتی ہے اور دعوتی زندگی میں تو یہ مقام اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اس میں ادنیٰ لغزش فتنہ وفساد کے لئے کافی ہوتی ہے لیکن چونکہ موسیٰ علیہ السلام داعی تھے، تحریک کے لیڈر نہ تھے اس لئے سیاستِ شرعیہ کے تحت یہ جواب دیا تھا۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ ‌ موسیٰ نے کہا۔ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس کتاب میں ہے۔

وَلَا يَنْسَى ‌ (سورہ طٰہٰ) ‌ (ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں) میرا پروردگار نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

سیاستِ شرعیہ کے اس فیصلہ پر اگر آج عمل درآمد ہو جائے تو کتنے مذہبی جھگڑے ختم ہو جائیں؟ اور گروپ بندی وجماعت سازی کے فتنہ کی آگ سرد پڑ جائے۔

سنت سے سیاستِ شرعیہ کا ثبوت ‌ سنت سے سیاستِ شرعیہ کے تحت چند فیصلے درج ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اعلام الموقعین ج ۳ فصل فی سد الذرائع ص ۱۲۲۔

خرجت امرءتان معهما صبيان لهما فعدا الذئب على احدهما فاخذ ولدها فاصبحتا تختصمان في الصبي الباقي الى داؤد فقضى به لكبرى منهما

دو عورتوں کے ساتھ بچہ تھا اور وہ باہر نکلیں کہ بھیڑیا نے حملہ کرکے ایک کے بچہ کو چھین لیا جو بچہ رہ گیا تھا اس کے لئے دونوں جھگڑنے لگیں ایک کہتی تھی میرا بچہ ہے اور دوسری کہتی تھی میرا ہے جب معاملہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہونچا تو انھوں نے بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دیدیا۔

فمرتا على سليمان فقال كيف امركما فقصتا عليه فقال ائتوني بالسكين اشق الغلام بينهما قالت الصغرى اتشقه قال نعم فقالت لا تفعل حظى منه لها قال ابنك فقضى به لها۔[1]

پھر ان عورتوں کا گزر حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ہوا تو انھوں نے معاملہ اور فیصلہ معلوم کیا اور کہا کہ چھری لاؤ تاکہ بچہ کے دو حصہ کرکے ایک چھوٹی کو دیدوں اور دوسرا بڑی کو دیدوں، یہ سن کر چھوٹی عورت نے کہا کہ کیا واقعی آپ دو حصے کریں گے، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا: بیشک کروں گا، اس پر چھوٹی نے کہا کہ آپ ایسا نہ کیجئے میں اپنا حصہ بھی بڑی کو دیتی ہوں، اس پر حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ یہ بچہ تیرا ہے تو لے جا بڑی کا نہیں۔

اس حدیث سے حاکم اور قاضی کے لئے یہ وسعتیں ثابت ہوتی ہیں:

(ا) السعة للحاكم في ان يقول للشئ الذى لا يفعله افعل ليستبين الحق۔[2]

حق کے اقرار کرانے کے لئے حاکم کو گنجائش ہے کہ جس کام کو کرنا نہ چاہتا ہو اس کے بارے میں کہے کہ میں کردوں گا۔ یعنی غلط بات کہہ کر حق کا اقرار کرانا جائز ہے۔

(ب) الحكم بخلاف ما يعترف به المحكوم عليه اذا تبين للحاكم من الحق غير ما اعترف به۔[3]

جب حاکم پر حق بات ظاہر ہوجائے تو محکوم علیہ کے اقرار کے خلاف بھی فیصلہ کرنا درست ہے۔ (یہ فیصلہ اگرچہ صاحبِ معاملہ کے اقرار کے خلاف ہے لیکن حاکموں کے لئے اس کی وسعت ہے)

(ج) نقض الحاكم ما حكم به غيره ممن هو مثله او اجل منه[4]

ایک حاکم کو اپنے برابر یا اپنے سے بڑے حاکم کے فیصلہ کو توڑ کر اس کے خلاف فیصلہ دینا درست ہے۔

---

[1] نسائی ج۲ کتاب آداب القضاء۔ [2] نسائی ج۲ کتاب آداب القضاء۔ [3] الطرق الحکمیہ ص۵۔ [4] نسائی ج۲ کتاب آداب القضاء۔ [5] الطرق الحکمیہ ص۶

(د) الحکم بالقرائن وشواھد الحال[1] حاکم کو قرائن اور شواہد حال کے مطابق فیصلہ کرنا درست ہے۔

(ز) الحکم بعلمہ۔[2] حاکم کو اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا درست ہے۔

اسی طرح حاکم کو فیصلہ سے پہلے سفارش کرنے کی وسعت ہے، اس کے لئے حضرت مغیث رضؓ اور بریرہ رضؓ کی یہ روایت نقل کی جاتی ہے:

عن ابن عباسؓ ان زوج بریرۃ کان عبداً یقال لہ مغیث کانی انظر الیہ یطوف خلفھا یبکی ودموعہ تسیل علی لحیتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم للعباس یا عباس الا تعجب من حب مغیث بریرۃ ومن بغض بریرۃ مغیثاً فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو راجعتیہ فانہ ابو ولدک قالت یارسول اللہ اتامرنی قال انما انا شفیع قالت فلا حاجۃ لی فیہ۔

(نسائی ج۲ کتاب آداب القضاء)

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ بریرہؓ کے خاوند ایک غلام تھے جن کا مغیث نام تھا۔ یہ حضرت "بریرہ کے پیچھے پیچھے پھرتے، وہ متوجہ نہ ہوتی اور جدائی میں اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوجاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر حضرت عباس رضؓ سے فرمایا کہ کیا تمہیں مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت دیکھ کر تعجب نہیں ہے، رسول اللہ صلعم سے مغیث کی حالتِ زار دیکھی نہ گئی اور بریرہ سے سفارش کی کہ تم مغیث ہی کے پاس رہنا منظور کرلو وہ تمہارے بیٹے کا باپ ہے، بریرہ نے کہا کہ آپ صلعم یہ حکم دے رہے ہیں یا مشورہ؟ آپ نے فرمایا کہ میں سفارش کررہا ہوں، اس پر بریرہ نے کہا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔

بریرہ پہلے باندی تھیں اسی زمانہ میں مغیث سے نکاح ہوا تھا پھر وہ آزاد کردی گئیں، آزادی کے بعد عورت کو یہ حق ہوتا تھا کہ چاہے تو اپنے خاوند کے ساتھ رہے اور چاہے اس سے علیحدگی اختیار کرلے، بریرہ نے اپنے اس حق سے فائدہ اٹھا کر مغیث سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔[3]

قسامہ سے استدلال (۲) محلہ میں قتل ہو اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے، ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاستِ شرعیہ کے تحت پورے اہلِ محلہ کو ضامن قرار دیا اور ان سے مقررہ قاعدہ کے مطابق دیت (خون کی قیمت)

---

[1] الطرق الحکمیہ ص۶۔ [2] نسائی ج۲ کتاب آداب القضاء۔ [3] نوری ج۱ باب العتق ص۳۹۳

وصول کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقر القسامۃ علی ما کانت فی الجاھلیۃ وقضی بھا رسول اللہ بین ناس من الانصار فی قتیل ادعوہ علی الیھود۔[1]	رسول اللہؐ کے اصحاب میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے قسامت کو اسی طرح برقرار رکھا جس طرح کہ زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا۔ چنانچہ خود رسول اللہؐ نے ایک مقتول کے بارے میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا جب کہ انصاریوں نے یہودیوں پر دعویٰ کیا تھا۔

صورت یہ تھی کہ پہلے اہلِ محلہ سے پچاس آدمیوں کو بُلا کر باقاعدہ تحقیق و تفتیش کی جاتی۔ جب اس سے پتہ نہ چلتا تو سب ذمہ دار قرار دیئے جاتے ان آدمیوں کے انتخاب میں مقتول کے ورثاء کی رائے کو بھی دخل ہوتا تھا۔ حالات و تقاضہ کے مطابق ایک گروہ یا ایک فرقہ کو ذمہ دار ٹھہرانے اور حسب صوابدید اجتماعی جرمانہ عائد کرنے کی یہ ایک بہترین مثال ہے۔ جس کی فقہاء نے یہ حکمت بیان کی ہے۔

"قسامۃ (اجتماعی جرمانہ) کا مقصد یہ ہے کہ اس طریق سے قاتل کا پتہ چل جائے اور اہلِ محلہ حفاظت کے معاملہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں گویا اس قسم کا حادثہ ان کی کوتاہی سے پیش آیا ہے، کیونکہ لوگوں کی حفاظت اور غنڈوں کی نگرانی ان کے ذمہ تھی۔"[2]

اگر ایک فرقہ کی جان و مال کے اتلاف میں دوسرے فرقے کو ذمہ دار ٹھہرا کر اس سے تاوان وصول کرنے پر عمل درآمد شروع ہو جائے تو ناممکن ہے کہ اس سے جان و مال کی حفاظت نہ ہو اور ایک فرقہ دوسرے کی دست درازیوں سے مامون نہ رہے۔

سیاستِ شرعیہ کے تحت رسول اللہؐ کے چند فیصلے

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاستِ شرعیہ کے تحت ان لوگوں کے گھروں کے جلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا جو بلا عذر جماعت میں نہیں حاضر ہوتے ہیں[3]

بعض حضرات کا خیال ہے کہ رسول اللہؐ کا یہ ارادہ منافقین کے گھروں کے لئے تھا، لیکن یہ غلط ہے کیونکہ گھروں میں اُن کے نماز پڑھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔[4]

---

[1] مسلم ج۲ کتاب القسامۃ ص۵۷ : [2] المبسوط ج۲۶ کتاب القسامۃ ص۱۰۸۔ [3] مسلم ج۱ بیان التشدید عن التخلف عنہا ص۲۳۲
[4] تبصرۃ الحکام فی القضایا بالسیاسۃ الشرعیہ۔

(۴) زکوٰۃ نہ دینے والوں کے بارے میں فرمایا:

انا آخذ وها منه و شطر ماله [۱] بے شک ہم اس سے زکوٰۃ لیں گے اور اس کا آدھا مال بھی۔

(۵) رسول اللہؐ نے شراب کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دیا اور ان ہانڈیوں کو پھوڑنے کے لئے فرمایا جن میں حرام گوشت پکایا گیا ہو۔

(۶) عبداللہؓ بن عمرو کو ان کپڑوں کو جلانے کا حکم دیا جو زرد رنگ میں رنگے گئے تھے۔ (۷) شرابی کو تیسری یا چوتھی مرتبہ قتل کا حکم دیا۔ (۸) غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کی بعض شرارتوں کی وجہ سے ان کے گھروں کو جلانے کا حکم دیا۔ (۹) محض شک کی بناء پر بعض مجرموں کو سزا دی اور بعض کو قید کیا۔ (۱۰) چوری کی بعض صورتوں میں جن میں (قطعِ ید نہیں ہے) دوگنے تاوان کا حکم دیا اور کچھ کوڑے بھی لگائے۔ (۱۱) ایک شخص اپنی ام ولد کے ساتھ متہم کیا گیا تھا اس کو قتل کا حکم دیا پھر جب معلوم ہوا کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیا۔ (۱۲) ایک شخص نے اپنے پڑوسی کے ایذا رسانی کی شکایت کی آپ نے اُس سے فرمایا کہ گھر سے سارا مال و اسباب نکال کر راستہ میں ڈال دے اُس نے حکم کی تعمیل میں ایسا ہی کیا جب لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو صورتِ حال دریافت کی، اور پڑوسی پر لعن طعن شروع کر دیا۔ پڑوسی اس لعن طعن سے متاثر ہو کر ایذا رسانی سے باز آیا اور آئندہ کے لئے حلفیہ وعدہ کیا۔ غرض اس طرح کے بہت سے فیصلے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاستِ شرعیہ کے تحت فرمائے تھے۔[۲]

اجتماعی زندگی کی مثالیں انفرادی کے علاوہ اجتماعی زندگی میں بھی بکثرت مثالیں موجود ہیں مثلاً:

(۱) صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو روش اختیار فرمائی۔ اور بعض صحابہؓ کی مخالفت کے باوجود جس طرح معاہدہ کی تکمیل کی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی سیاست کے فیصلے کس قدر جذبات سے بالا ہو کر حقیقت شناسی اور دور رسی کے حامل ہوتے ہیں۔

صلح حدیبیہ کی قابلِ اعتراض دفعات اس معاہدہ کی چند شرطیں جو ناقابلِ قبول تھیں یہ ہیں:

(۱) عہد نامہ کی ابتداء میں اسلامی دستور کے مطابق "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہ لکھا جائے بلکہ عرب کے قدیم دستور کے مطابق "باسمک اللھم" لکھا جائے۔

---

[۱] الطرق الحکمیہ ص۱۵۔ [۲] ملاحظہ ہو الطرق وتبصرۃ الحکام۔

(ب) یہ تحریر محمد رسول اللہ کی طرف سے نہ ہو بلکہ محمد بن عبد اللہ کی طرف سے ہو۔

(ج) اس سال حرم کے مہینہ میں بھی عمرہ کی اجازت نہ ہوگی جبکہ حرم کے مہینہ میں لڑائی وغیرہ بند رہتی تھی اور سب کو عمرہ کی اجازت ہوتی تھی۔

(د) محمدؐ کے پاس ہمارا آدمی اگر بھاگ کر جائے تو محمدؐ اس کو واپس کر دیں لیکن ان کا آدمی اگر بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا تو ہم واپس نہ کریں گے۔

ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہی شخص بھاگ کر پناہ کے لئے آسکتا تھا جو اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ والوں کی سفاکی سے تنگ آچکا ہوتا، ایسی حالت میں اس شخص کو دوبارہ مکہ واپس کر دینا گویا آگ کے الاؤ میں جھونک دینے کے برابر تھا، لیکن رسول اللہؐ نے صحابہ کے انکار پر اصرار کے باوجود دوسری شرطوں کی طرح اس شرط کو بھی منظور فرمالیا اور بعد میں چند مسلمان جب پناہ کے لئے مدینہ آئے تو آپؐ نے انہیں حسب معاہدہ فوراً واپسی کا حکم دیا۔[1]

سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے اس موقع پر اجتماعی مفاد کے تحفظ اور مستقبل کی تعمیر کی خاطر جذباتی چیزوں اور انفرادی مفاد کو کس طرح نظر انداز کیا تھا؟ اور بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کرنے کا کیسا نمونہ پیش کیا تھا۔؟

جنگ کے زمانہ میں مکہ کے لوگوں کی امداد

(۲) معاہدہ سے پہلے جنگ کے زمانہ میں جب مکہ کے لوگ قحط سے دوچار ہوئے تو رسول اللہؐ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت ان کی درج ذیل طریقوں سے مدد فرمائی:۔

(ا) یمامہ سے جو رسد جاتی تھی اور اسلامی قبضہ ہونے کی وجہ سے بند ہوگئی تھی اس کو حسب سابق جاری کر دیا۔[2]

(ب) غرباء و فقراء کی امداد کے لئے پانچ سو اشرفیاں روانہ کیں۔[3]

(ج) مختلف سامانِ ضرورت کھجور وغیرہ ابو سفیان کو بھیج کر معاوضہ میں جانوروں کی کھالیں طلب کیں تاکہ درآمد برآمد کا توازن برقرار رہے۔[4]

حطیم کو خانۂ کعبہ میں شامل نہ کرنے سے استدلال

(۳) حطیم خانۂ کعبہ کا ایک حصہ تھا اور کعبہ سے علیحدہ تھا۔ رسول اللہؐ نے سیاستِ شرعیہ کے تحت خانۂ کعبہ کے ساتھ اس کو شامل نہیں فرمایا اور یہ وجہ بیان کی:

---

[1] بخاری ج۲ باب غزوۂ خیبر ص۶۰۳ ومسلم باب غزوۂ خیبر ص۱۱۱ اور اسلام کا زرعی نظام ص۸۱ و ۸۲۔ [2] سیرت ابن ہشام از رسول اللہؐ کی سیاسی زندگی۔ [3] مبسوط للسرخسی ج۱ اور شرح السیر الکبیر از اسلام کا زرعی نظام ص۸۳۔ [4] حوالۂ بالا۔

لولا حدثان عہد قومك باللہ لنقضت الکعبۃ ولجعلتہا علی اساس ابراھیم۔[۱]
اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے اسلام کی طرف نہ آئی ہوتی تو میں کعبہ توڑ کر اساسِ ابراہیمؑ پر اس کی تعمیر کرتا اور حطیم کو اس میں شامل کر دیتا۔

اس فیصلہ سے نووی شارحِ مسلم نے درج ذیل اصول اخذ کئے ہیں جن سے زندگی کے عام حالات و معاملات میں رہبری حاصل ہوتی ہے:

(ا) بڑی چیز کی خاطر چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔

(ب) تالیفِ قلب اور لوگوں کی دل جوئی کا حتی الامکان خیال رکھنا چاہئے۔

(ج) کسی ایسی چیز سے تعرض نہ کرنا چاہئے جو زیادہ اہم نہ ہو لیکن قومی رغبت کی بناء پر اس کی وجہ سے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔[۲]

سیاستِ شرعیہ کے تحت حکم کی تبدیلی کی مثالیں

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتماعی حالات کے پیشِ نظر کوئی حکم دیا یا کسی چیز سے منع کیا، پھر جب حالات بدل گئے یا اس میں ضرر کا اندیشہ ہوا تو سیاستِ شرعیہ کے تحت اس میں تبدیلی فرما دی مثلاً:

(ا) قربانی کا گوشت تین دن سے زائد ذخیرہ بنا کر رکھنے سے روک دیا تھا تاکہ گاؤں کے لوگ محروم نہ رہیں۔ پھر جب آپؐ سے شکایت کی گئی اور مختلف قسم کی ضرورتیں بیان ہوئیں تو آپؐ نے اجازت دیدی اور فرمایا:

انما کنت نہیتکم للدافۃ التی دفت فکلوا وتصدقوا وتزودوا۔[۳]
میں نے باہر کے لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا اب کھاؤ خیرات کرو اور ذخیرہ بنا کر رکھو۔

(ب) ایک مرتبہ سفر میں زادِ راہ کم ہو گیا اور لوگ مفلس ہو گئے رسول اللہؐ سے اونٹوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی گئی، آپؐ نے ضرورت کے پیشِ نظر اجازت دیدی، پھر حضرت عمرؓ نے کہا:

یارسول اللہ ما بقاءھم بعد ابلہم
یارسول اللہؐ اونٹوں کے بعد یہ کیسے زندہ رہیں گے۔

رسول اللہؐ نے اجازت منسوخ کر کے فرمایا:

---

[۱] مسلم ج ۱ ص ۴۲۹ باب نقض الکعبۃ وبنائہا۔ [۲] نووی ج ۱ ص ۴۲۹۔ [۳] طحاوی و مسلم کتاب الاضحیۃ۔

نادی الناس یاتون بفضل ازوادھم فبسط لذلک نطع وجعلوہ علی النطع۔[۱]

لوگوں میں اعلان کردو کہ زائد توشہ جمع کریں پھر دسترخوان بچھایا گیا اور لوگوں نے دسترخوان پر رکھا۔

(ج) اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ وساوس شیطان وفساد کا دفعیہ ہو اور اللہ کی حرمتیں محفوظ رہیں لیکن جس سے شادی کا ارادہ ہو رسول اللہؐ نے اس کو دیکھنے کی اجازت دی ہے تاکہ بعد میں ندامت نہ ہو اور ازدواجی زندگی خوشگوار رہ سکے۔ آپؐ نے فرمایا:-

انظر الیھا فانہ احریٰ ان یؤدم بینکما[۲] اس کو دیکھ لو اس سے آپس میں الفت ومحبت کی زیادہ امید ہے۔

(د) مکہ کی حرمت برقرار رکھتے ہوئے رسول اللہؐ نے فرمایا:-

انما احلت لی ساعۃ من النہار ثم ھی حرام الی یوم القیٰمۃ۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے خاص میرے واسطے حلال کیا گیا تھا۔ پھر وہ بدستور قیامت تک کے لئے اپنی اصلی حرمت میں آگیا۔

پھر حرمت کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لایعضد شجرھا ولا ینفر صیدھا

اس کے درخت نہ کاٹے جائیں شکار نہ بھگائے جائیں۔

اس پر حضرت عباسؓ نے کھڑے ہو کر کہا:

یارسول اللہ الاذخر فانہ لقبورنا وبیوتنا۔

یارسول اللہؐ اذخر (ایک گھاس) کی ممانعت میں بڑی دشواری ہوگی کیوں کہ قبروں اور گھروں کے کام آتی ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا:

الا الاذخر[۳]

اچھا اذخر کی اجازت ہے۔ (باقی)

---

[۱] القسطلانی ج۲ ص۲۸۴۔ [۲] شرح معانی الآثار ج۲ ص۵۔ [۳] ابوداؤد باب تحریم مکہ۔

تاریخ گجرات : مؤلفہ : پروفیسر سید ابوظفر صاحب ندوی (مرحوم)

گجرات کی مشہور مستند اور محققانہ تاریخ، سری کرشن مہاراج کے زمانے سے لے کر محمود تغلق شاہ اور ظفرخاں آخری ناظم گجرات کے عہد تک کے واقعات، دل نشین ترتیب اور مؤرخانہ بصیرت کے ساتھ!

• ضخامت ۴۵۰ صفحات • بڑی تقطیع • قیمت غیر مجلد -/۷- مجلد -/۸ •

مکتبہ برہان، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶